Mir Zaheer Abass Rustmani
03072128068

انارکلی

" انارکلی " کے مصنف امتیاز علی تاج ۱۹۰۱ء میں لاہور میں پیدا ہوئے۔ اور ہوش سنبھالتے ہی اپنے ارد گرد علم و ادب کا چرچا پایا۔

ان کے والد شمس العلماء مولوی ممتاز علی جید عالم، سرسید کے دوست، کئی رسالوں کے مدیر اور مشہور ناشر تھے۔

اس وقت لاہور ایک بڑا ادبی مرکز تھا۔ امتیاز علی تاج کی تعلیم شروع سے آخر تک لاہور ہی میں ہوئی اور شروع سے ہی ان کا تعلق ڈرامے سے بھی رہا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں بی۔ اے کے لئے داخلہ لیا تو وہاں تمثیل کاری کی بھی تربیت حاصل کی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب آغا حشر اپنے عروج پر تھے، ان کا اکثر قیام لاہور میں رہتا۔ حکیم احمد شجاع بھی اسی زمانے میں لاہور میں ڈرامہ نگاری میں مصروف تھے۔ ان حضرات کی صحبت تاج کی ڈرامائی صلاحیتوں کو نکھارنے میں مددگار ہوئی۔

امتیاز علی تاج بچوں کے رسالے " پھول " کے مدیر کی حیثیت سے ادبی دنیا سے متعارف ہوئے۔ " تہذیب " اور ادبی ماہنامہ " کہکشاں " کی ادارت بھی کامیابی سے کی۔ وہ افسانہ نگار، مترجم، مزاح نگار، فلم نویس، ہدایت کار، ڈرامے کے ناقد اور نشری ڈراموں کے مصنف کی حیثیت سے بھی جانے جاتے ہیں۔ دارالاشاعت پنجاب کے کرتا دھرتا رہے۔ مجلس ترقی ادب لاہور کے ڈائریکٹر بھی ہوئے۔ لیکن انھیں جو شہرت " انارکلی " کے مصنف کی حیثیت سے نصیب ہوئی وہ کسی اور چیز سے نہیں مل سکی۔

انھوں نے اپنا یہ شاہکار ۱۹۲۲ء میں مکمل کیا۔ لیکن اس کی اشاعت پہلی بار دارالاشاعت پنجاب نے ۱۹۳۲ء میں کی۔ یہ اس وقت کے تجارتی اسٹیج پر پیش نہیں ہوا۔ کیونکہ مالکان کمپنی اس میں جو ترمیم چاہتے تھے تاج اس کے لئے تیار نہیں ہوئے۔

انارکلی میں تین ایکٹ اور تیرہ سین ہیں۔ یعنی پہلے اور دوسرے ایکٹ میں چار چار اور تیسرے ایکٹ میں پانچ سین ہیں۔ اس کا پلاٹ اس طرح ہے۔

پلاٹ

دربار اکبری کی کنیزوں میں دلآرام کافی نمایاں ہے اسے ظل سبحانی تک رسائی حاصل ہے۔ ایک روز دلآرام اپنی بہن کی بیماری کے سبب چھٹی لیکر کچھ دنوں کے لئے گھر جاتی ہے۔ اس کی غیر حاضری میں دربار میں رقص کرنے کے لئے نادرہ نام کی دل کش کنیز آتی ہے۔ اکبر اعظم اس کے حسن رقص اور نغمے سے خوش ہوکر اسے انارکلی کا خطاب دیتا ہے۔ اور ولی عہد سلطنت شہزادہ سلیم اپنا دل اپنی جان و ایمان سبھی کچھ اس پر نچھاور کر بیٹھتا ہے۔

دلآرام واپس آئی تو یہاں کا نقشہ ہی بدلا ہوا ہے۔ اب ہر ایک کی زبان پر اس کے بجائے انارکلی کا نام ہے۔ وہ انارکلی کی ہر دل عزیزی برداشت کر سکتی تھی لیکن شہزادے کو کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتی۔ کیونکہ اس کی نظر میں ہندوستان کی ملکہ کا تاج تھا۔ انارکلی سے پہلے شہزادہ سلیم کا کسی قدر التفات اس کی طرف بھی تھا۔ شاید اسی بنا پر وہ یہ خواب بن رہی تھی۔ بہرحال جب اسے یہ خواب ٹوٹتا دکھائی دیا تو وہ اپنی تمام تر عیاری و چالاکی کے ساتھ انارکلی کو راستے سے ہٹانے کے درپے ہو گئی۔

انارکلی کی چھوٹی بہن ثریا۔ انارکلی اور سلیم کی ہم راز ہے۔ ایک روز انارکلی خفیہ طور پر پائیں باغ میں سلیم سے ملنے جا رہی تھی۔ جاتے وقت ثریا انارکلی کو چھیڑتی ہے۔ دلآرام کھمبے کی آڑ سے یہ باتیں سن لیتی ہے اور جب پائیں باغ کی تنہائی عاشق و معشوق کے درمیان سارے فاصلے مٹا دیتی ہے تو دلآرام اپنی موجودگی وہاں ظاہر کر دیتی ہے۔

سلیم کسی بہانے سے دلآرام کو اپنے ایوان میں بلواتا ہے۔ وہ موقعہ ہاتھ سے جاتا ہوا دیکھ کر اظہار عشق کر بیٹھتی ہے۔ پردے کے پیچھے سے سلیم کا دوست بختیار گواہ کے

طور پر ابھر آتا ہے جسے سلیم نے پہلے سے وہاں چھپا رکھا تھا۔ اس طرح دلآرام پر بھی وہی جرم عائد ہوتا ہے۔ بس فرق یہ ہے کہ مرتکب انارکلی ہے اور اکبری دربار میں جس کی سزا موت ہے۔ اس وقت دلآرام سلیم کے قدموں پر گر کر اسے یقین دلاتی ہے کہ وہ اس کی وفادار ہے۔ سلیم نہ صرف یہ کہ اس پر اعتبار کر کے اسے اپنا ہم راز بنا لیتا ہے۔ بلکہ اسے اپنے اور انارکلی کے درمیان وسیلے کے طور پر استعمال کرتا ہے۔

جشن نوروز کے موقعے پر سلیم اپنی بیتابی میں دلآرام سے ملاقات کی کوئی صورت نکالنے کو کہتا ہے۔ دلآرام اسے انارکلی سے ملوانے کا وعدہ کرتی ہے۔ مگر ملوانا اس طرح ہے کہ سلیم اور انارکلی کے بیٹھنے کا انتظام آمنے سامنے کرواتی ہے اور ایک قد آدم آئینہ اس زاویے سے نصب کرواتی ہے کہ اس میں بادشاہ دونوں کے اشارے کنائے دیکھ سکے۔ مزید یہ کہ انارکلی کو رقص کے پہلے دھوکے سے شراب پلا دیتی ہے۔ جس کی وجہ سے انارکلی قدرے بیباکانہ انداز میں اظہار عشق کر بیٹھتی ہے۔ اکبر سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھتا ہے۔

انارکلی قید کر لی جاتی ہے۔ انارکلی کے لیے بہت سے لوگ رحم کی درخواست کرتے ہیں۔ خصوصاً مہارانی سلیم کی پُر زور حمایت کرتے ہوئے انارکلی کو نہ صرف رہا کرنے بلکہ اسے سلیم کو دے دیئے جانے کی سفارش کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے اکبر اعظم رحم کی یہ درخواستیں قبول کر لیتا۔ لیکن اس سے پہلے وہ دلآرام سے کچھ باتیں کرتا ہے کیونکہ اسے شبہ ہے کہ دلآرام اس سلسلے کے کچھ راز جانتی ہے لہٰذا اس سے تنہائی میں باز پرس کرتا ہے تو وہ کہتی ہے۔ کہ یہ لوگ پائیں باغ میں چھپ چھپ کر ملا کرتے تھے اور آپ کے خلاف سازشیں کرتے تھے کیونکہ انارکلی ہندوستان کی ملکہ بننا چاہتی تھی۔ وہ یہ بھی کہتی ہے کہ صاحب عالم یعنی سلیم بے قصور ہیں۔ انارکلی انھیں بغاوت پر اکساتی تھی اس نے سلیم سے کہا کہ ایک طرف باپ ہے اور دوسری طرف محبوب۔ اس میں سے جو پسند ہو چن لو۔

اپنی بات جاری رکھتے ہوئے وہ مزید کہتی ہے کہ ایک روز چھپ کر میں یہ باتیں سن رہی تھی کہ صاحب عالم کی نظر مجھ پر پڑ گئی۔ لہٰذا انھوں نے مجھے دھمکی دی کہ انارکلی کا نام زبان سے نکالا تو پچھتانا پڑے گا۔ بادشاہ سلامت کے سامنے جھوٹی گواہی پیش

کی جائے گی۔ کہ تو خود ہم کو چاہتی ہے، اور جب ہم نے مایوس کر دیا تو تو نے اپنا انتقام لینے کا یہ ڈھنگ نکالا۔ لہذا میں سہم کر خاموش ہو گئی۔

یہ اسی رات کا واقعہ ہے جس روز انارکلی قید کی گئی تھی۔ ادھر سلیم اپنے دوست بختیار کے ذریعے داروغہ زندان کو رشوت دے کر انارکلی سے ایک ملاقات طے کر لیتا ہے اور جب ملاقات کے لئے زندان پہنچتا ہے۔ تو انارکلی سے کہتا ہے کہ میں تمہیں یہاں سے لے جانے کے لئے آیا ہوں۔ یہ بات داروغہ زنداں سن لیتا ہے چنانچہ بادشاہ سلامت کے اچانک زندان کے معائنے پر آجانے کا بہانہ کر کے اور بادشاہ سلامت کے واپس جانے کے بعد انارکلی کو جیل سے نکالنے میں مدد دینے کا وعدہ کر کے سلیم کو اپنی کوٹھری میں چھپا دیتا ہے اور باہر سے دروازہ بند کر کے خود بادشاہ سلامت کے پاس پہنچ کر سارا واقعہ اس اضافے کے ساتھ بیان کر دیتا ہے کہ صاحب عالم بزور شمشیر انارکلی کو بھگا لے جانا چاہتے تھے۔ اور انارکلی نے انھیں بغاوت پر اکسایا تھا۔

ابھی بادشاہ سلامت کی گفتگو دلآرام سے ختم بھی نہ ہو پائی تھی کہ داروغہ زندان پہنچ کر یہ قصہ سناتا ہے جسے سن کر جلال اکبری مزید بھڑک اٹھتا ہے اور رحم کی سابقہ تمام درخواستیں رد کر دی جاتی ہیں۔ دلآرام اپنے ارادوں میں کامیاب ہو جاتی ہے۔ یعنی انارکلی کو زندہ دیوار میں چنوا دیا جاتا ہے۔ بعد کو راز کھلتا ہے تو اکبر اور سلیم دونوں دلآرام کی چالوں سے واقف ہوتے ہیں۔ اکبر کو سلیم کی حالت زار پر بہت ترس آتا ہے وہ اپنے کئے پر نادم ہوتا ہے۔

گو کہ لاہور میں انارکلی کے مقبرے کے نام سے ایک عمارت موجود ہے اور انارکلی بازار و اسٹیشن بھی ہے۔ پھر بھی تاریخی حیثیت سے یہ قصہ بے بنیاد ہے تزک جہانگیری یا اس عہد کی کسی تاریخی کتاب سے اس واقعے کی تصدیق نہیں ہوتی اور نہ ہی کسی دوسرے ذریعے سے اس کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔ لیکن ڈرامے کے لئے کسی قصے کا تاریخی استناد ضروری نہیں۔ یہ قصہ کب کیوں اور کیسے وجود میں آیا فی الحال یہ بتانا مشکل ہے۔ البتہ یہ بتانا قطعی مشکل نہیں کہ تاج نے یہ قصہ عوامی روایت سے ہی حاصل کیا ہے نا کہ کسی وقائع نگار کی نگارشات سے۔

فنی نقطہ نظر سے انارکلی کا پلاٹ ایک مکمل گٹھا ہوا پلاٹ ہے جس میں واقعے سے واقعہ تو پیدا ہی ہوتا ہے ہر واقعہ اپنے پچھلے واقعے کا فطری نتیجہ بھی معلوم ہوتا ہے۔ واقعات کی تمام کڑیاں آپس میں مربوط ہیں کہیں سے کوئی جھول نظر نہیں آتا۔ ڈرامائی عمل پورے شد و مد کے ساتھ موجود ہے لیکن کہیں کہیں مکالموں کی طوالت اور زیادتی کی وجہ سے قصہ سست رفتاری سے آگے بڑھتا ہے پھر بھی محل کی اندرونی فضا اور ماحول اتنے دلچسپ اور حقیقت پسندانہ طریقے سے پیش کئے گئے ہیں کہ تمام تر سست رفتاری کے باوجود اکتاہٹ پیدا نہیں ہوتی۔

محل کی اندرونی فضا بندی اور مرقع نگاری، واقعات کی ترتیب و تسلسل اور جذبات نگاری اسے مغربی ڈرامے کی حقیقت پسندانہ پیش کش کے کافی قریب پہنچا دیتی ہے اور اس سراب پر حقیقت کا دھوکہ ہونے لگتا ہے۔

اگر انارکلی میں مغربی ڈرامے کے اثرات تلاش کئے جائیں تو واضح ہوگا کہ اس میں مغربیت پارسی اسٹیج کی طرح صرف۔ ایکٹ۔ سین۔ پروسینیم۔ پچھلے پردے، ونگ اور مشینوں کے ذریعے کرتب دکھانے تک محدود نہیں ہے۔ بلکہ مغربی ڈرامے کے اہم عناصر کشمکش۔ تصادم اور حقیقت نگاری بھی پائی جاتی ہے۔

اس میں تصادم کی کئی صورتیں ہیں۔ کہیں یہ داخلی شکل میں ہے۔ جیسے اکبر اعظم اور سلیم کے والد اکبر کے درمیان۔ یا جودھا بائی کے اندر سلیم کی ماں اور اکبر اعظم کی بیوی کے درمیاں۔ انارکلی کے اندر ایک کنیز اور عورت کے درمیان کہیں ظاہری شکل میں۔ جیسے اکبر اعظم اور سلیم کے درمیان انارکلی کو پالینے اور نہ پالینے کے لئے۔ کہیں یہ دلا آرام کی عیارانہ چالوں سے ابھرتا ہے تو کہیں سلیم اور انارکلی کی معصوم نادانیوں سے۔ تو کہیں کنیز اور بادشاہ کی طبقاتی کشمکش کے ذریعے عروج حاصل کرتا ہے۔ ابتداء میں یہ تصادم اندر ہی اندر زیریں لہر کی طرح چلتا رہتا ہے۔ بظاہر صرف تناؤ کی کیفیت نظر آتی ہے۔ البتہ نقطہ عروج کے قریب پہنچ کر پوری طرح نمایاں ہو جاتا ہے۔

انارکلی کے سلسلے میں اس بات پر کافی بحث ہو چکی ہے کہ یہ المیہ کس کا ہے انارکلی

کا سلیم کا یا اکبرِ اعظم کا۔ مگر اس بات پر بہت کم بحث ہوئی ہے کہ یہ المیہ ہے بھی یا نہیں۔ اگر کرداروں کے تقابلی مطالعے کے لحاظ سے دیکھا جائے تو "المیہ کس کا" والی بات کسی حد تک مناسب معلوم ہوتی ہے۔ لیکن ڈرامے کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جائے تو صورت حال مختلف بھی ہو سکتی ہے۔

دراصل انارکلی میں المیے کی کچھ خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ جیسے کہ اس میں تباہی و بربادی ایسے کردار پر آتی ہے۔ جو بے گناہ ہے یا جو اس کا سزاوار نہیں۔ پھر انارکلی کو زندہ دیوار میں چنوا دینے سے، ہمدردی و ترحم کے جذبات بھی ابھرتے ہیں۔ جس سے اسہال ممکن ہے اور۔ جو المیے کا ایک مقصد ہے۔

مزید یہ کہ " ارسطو سے لے کر بریڈلے تک المیے کے سبھی نقاد اس بات پر زور دیتے آئے ہیں کہ المیے کا سبب بننے والا واقعہ خود المیے کا شکار بننے والے کردار کی شخصیت سے پیدا ہونا چاہیے اور اس کی اپنی کمزوری یا غلط فہمی یا عمل کا نتیجہ ہونا چاہیے۔ حادثہ یا اچانک واقعہ نہیں ہونا چاہیے جس پر کردار کا کوئی قابو ہی نہ ہو۔ کیونکہ ایسی صورت میں دیکھنے اور پڑھنے والوں کی ہمدردیاں کردار پر مرتکز نہ ہوں گی"۔[1]

یہ چیز بھی اس ڈرامے میں پائی جاتی ہے۔ انارکلی کی خواب ناکی تصور پرستی اور معصومیت نے اسے المیے کا شکار بنایا۔ سلیم حسن پرستی اور ہر ایک پر اعتبار کر لینے کی خلقی کمزوری کی وجہ سے المیے کا شکار بنا۔ اگر وہ عورت کی نفسیات سے تھوڑا سا بھی واقف ہوتا اور دلآرام کی باتوں پر اعتبار کر کے اسے اپنا ہمراز نہ بناتا تو شاید انارکلی دیوار میں نہ چنی جاتی اور اس قصے کا رخ ہی کچھ اور ہوتا۔

لیکن اسی کے ساتھ ساتھ المیے کی یہ بھی شان ہے کہ اس میں تباہی و بربادی اعلیٰ طبقے کے کرداروں پر آئے جس کے نتیجے میں سلطنتیں تباہ و برباد ہو جائیں۔ پہلی بات تو یہ کہ اس میں تباہی و بربادی اتنی شدید نہیں کہ جس سے سلطنت کو کوئی خطرہ لاحق ہو۔

---

[1] محمد حسن۔ معاصر ادب کے پیش رو۔ دہلی۔ ۱۹۸۲ء۔ صـ ۱۷۶۔

اس میں تباہی آتی بھی ہے تو ایک نچلے طبقے کے کردار و خاندان پر۔

سب سے بڑی بات یہ کہ کوئی بھی ڈرامہ صرف آخر میں کسی کردار کی موت یا ناکامی سے المیہ نہیں بنتا بلکہ ڈرامے کا مجموعی تاثر المیہ ہونا چاہئے۔ لیکن انارکلی کی پوری فضا کیف ونشاط میں ڈوبی ہوئی ہے۔ ہر طرف سرخوشی و سرمستی کا عالم ہے۔ اکبراعظم اور مہارانی رقص و موسیقی سے لطف وانبساط حاصل کر رہے ہیں۔ تو کنیزیں اور خواجہ سرا اپنی چہل بازی میں مگن ہیں۔ انارکلی کی ماں اور بہن اسی میں خوش ہیں کہ انارکلی ولی عہد سلطنت کو پالینے کا خواب تو دیکھ رہی ہے۔ انارکلی اور سلیم عشق میں کامیاب و کامران ہیں اور جسم و روح کے اختلاط سے کیف حاصل کر رہے ہیں۔ غرض یہ کہ اختتام سے کچھ پہلے تک اس ڈرامے کی پوری فضا پورا پس منظر لطف وانبساط میں ڈوبا ہوا ہے۔ قدم قدم پر سرمستی و سرشاری ہے اور کہیں سے بھی المیہ تاثر پیدا نہیں ہوتا۔

ایسی صورت میں ہم اسے مغربی اصولوں پر لکھا گیا المیہ نہیں کہہ سکتے بلکہ یہ ہمارے معاشرے کی ایسی تصویر ہے جہاں الم و طرب ساتھ ساتھ چلتے رہتے ہیں۔ البتہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس میں کچھ المیہ عناصر پائے جاتے ہیں۔

کردار نگاری

ایسے کردار جن کی گفتگو، افعال، حرکات و سکنات اور جذباتی حالت کے اظہار میں زندگی کی حقیقی عکاسی پائی جاتی ہو یا جن میں ایسی ہمہ گیری ہو، جو وقت کے گذر جانے کے باوجود انھیں زندہ رکھ سکے معیاری کردار کہے جا سکتے ہیں۔

انارکلی کے کرداروں میں یہ خوبیاں اکثر پائی جاتی ہیں۔ ان کے ناز و انداز رفتار و گفتار اور طور طریقے بالکل فطری اور موقعہ و محل کے مطابق ہیں۔ تاج کو انسانی نفسیات پر خاصا عبور حاصل ہے۔ وہ نفسیاتی ردعمل کا ہر جگہ خیال رکھتے ہیں۔ لہٰذا اکبر کا جاہ و جلال مہارانی کی ماستا سلیم کی جذباتیت۔ انارکلی کی خواب ناکی اور دلکشی۔ دلارام کی عیاری۔ ثریا کی سمجھداری۔ زعفران اور ستارہ کی خوش طبعی۔ اور کافور کی بولی ٹھولی سے نہ صرف یہ کہ ان کی فطرت زیادہ گہرائی سے نمایاں ہوتی ہے۔ بلکہ اس سے ایک ایسی فضا بھی تیار ہوتی ہے

جو پلاٹ کے ارتقاء میں معاون ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ الفاظ کا انتخاب اور طرز ادا بھی کردار کے مزاج و مرتبے کے مطابق رکھتے ہیں۔ جس سے ان کرداروں میں فنکارانہ بلندی پیدا ہو جاتی ہے۔

یہاں اس قول سے اتفاق کیا جا سکتا ہے کہ

"تاج صاحب نے ابتداء میں اپنے کرداروں کا تعارف فرداً فرداً پیش کیا ہے۔ لیکن ڈرامے کے شروع ہوتے ہی ہر کردار اپنی پہلی آمد پر خود متعارف ہو جاتا ہے اور اپنی گفتگو، حرکات و سکنات سے اپنے شخصی رنگ روپ سیرت و صورت کا مکمل نقشہ پیش کر دیتا ہے۔ گویا اس ڈرامے میں کردار نگاری بہر نوع اپنے نقطہ عروج کو پہنچی ہوتی ہے۔"[۱]

اس ڈرامے کے مرکزی کردار اکبر۔ سلیم۔ انارکلی اور دلا آرام ہیں لہٰذا ان پر الگ الگ گفتگو کر لینا بھی بے محل نہ ہو گا۔

اکبر اعظم

اکبر صرف اپنے شاہانہ لباس سے ہی اکبر اعظم نہیں ہے بلکہ وہ اپنی آنکھوں کی اس چمک سے بھی اکبر اعظم ہے جو ہر ایک کو نظریں جھکا لینے اور محتاط ہو جانے پر مجبور کر دیتی ہیں۔ وہ زمین کی تحقیر کرنے والی اپنی رفتار سے بھی اکبر اعظم ہے۔ اپنی عالی ہمتی رعب داب اور بہتر قیمت پر مقاصد کی تکمیل کی خو سے بھی اکبر اعظم ہے۔ اکثر موقعوں پر وہ ٹھوس اور حقیقت پسندانہ رویہ اختیار کرتا ہے۔ جس میں کم سے کم جذباتیت ہوتی ہے۔

وہ ایک صاف ستھرے ذوق کا جمالیاتی حس رکھنے والا بادشاہ ضرور ہے لیکن صرف شراب و شباب میں ڈوبے رہنا اور دن رات داد عیش دینا اس کا شیوہ نہیں۔ وہ امور ملکی سے اچھی طرح واقف ہے۔ اور اپنی حکومت کو استحکام بخشنے کی پوری کوشش کرتا ہے۔ اس کے اندر خود اعتمادی اور قوت عمل کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ وہ بادشاہ ہونے کے ساتھ ساتھ ایک باپ بھی ہے لہٰذا آخر میں بیٹے کی حالت زار دیکھ کر اس کا جذبہ پدری بادشاہت پر غالب آ جاتا ہے۔ جو عین فطرت کے مطابق ہے۔

---

[۱] عشرت رحمانی۔ اردو ڈراما کا ارتقاء۔ علی گڑھ۔ ۱۹۶۸ء۔ ص ۳۴۹۔

لیکن انارکلی کو زندہ دیوار میں چنوا دینے میں اس کی زیادتی و ناانصافی نظر آتی ہے۔ عشق و محبت انسانی فطرت ہے اس کی سزا موت کہاں کا دستور ہے۔ اگر ایک باعصمت شریف اور نیک کنیز ہندوستان کی ملکہ بن ہی جاتی تو نہ ہندوستان تباہ ہوتا۔ نہ ہی مغلیہ سلطنت۔ سچی بات تو یہ ہے کہ یہ سماجی ناہمواری کی ایک واضح تصویر ہے جہاں اعلیٰ طبقہ نچلے طبقے پر ہمیشہ ظلم کرتا رہتا تھا۔

یہ درست ہے کہ آخر میں اکبر کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے اور وہ اس پر پچھتاتا بھی ہے۔ لیکن اسے افسوس ہے تو اپنے بیٹے کے جذبات کو ٹھیس پہونچانے پر اپنے بیٹے کی حالت زار پر۔ کاش اسے تھوڑا سا تاسف انارکلی کی موت پر بھی ہوتا تو اس کی شخصیت کی عظمت اور بڑھ جاتی۔

فنی حیثیت سے یہ ایک مکمل اور ارتقائی کردار ہے جس سے بادشاہ کی نفسیات پوری طرح جھلکتی ہے۔

سلیم

سلیم ایک ناتجربہ کار جذباتی شہزادہ ہے۔ عشق بازی جس کا شیوہ ہے۔ وہ ہر پیکر حسن پر فریفتہ ہو جاتا ہے۔ انارکلی سے پہلے دلآرام اس کی منظور نظر تھی۔ لیکن یہ بھی درست ہے کہ انارکلی سے اسے سچی محبت ہے۔ اپنے عشق میں وہ اتنا ثابت قدم ہے کہ اکبر اعظم کی مخالفت اور ہندوستان کے تخت و تاج کی بھی پرواہ نہیں کرتا۔ اس کے اندر چالاکی اور ہوشیاری کی کمی ہے یا یوں کہئے کہ بھولا پن زیادہ ہے۔ یہ اس کا بھولاپن ہی ہے کہ دلآرام کی باتوں پر یقین کر کے اسے اپنا ہمراز بنالیتا ہے۔ وگرنہ دلآرام اتنی آسانی سے اپنی چالوں میں کامیاب نہیں ہوتی۔ اسے سمجھنا چاہئے تھا کہ دلآرام اسے انارکلی کے ساتھ بہ حالت اختلاط دیکھ کر رقابت میں کچھ بھی کر سکتی ہے۔

پھر یہ کہ اس میں کسی حد تک بے عملی بھی پائی جاتی ہے۔ وہ انارکلی پر جان نچھاور کرنے کو تو تیار ہے لیکن یہ وہ عمل سے ثابت نہیں کرتا۔ جب رات کی تنہائی میں داروغہ زنداں کو رشوت دے کر انارکلی سے ملنے زنداں میں جاتا ہے اس وقت موقعہ تھا وہ کچھ کارنامہ دکھا سکتا تھا۔ پھر بھی ہم اسے جامد کردار نہیں کہہ سکتے اس کی شخصیت میں موقعہ بے موقعہ تبدیلی

ہوتی رہتی ہے کچھ نہیں تو اس کی عشق مزاجی کی خو میں ہی تبدیلی آتی ہے۔ انارکلی سے پہلے تک کے اس کے عشق عارضی اور تھوڑی دیر کی دل بستگی کے لئے تھے۔ لیکن انارکلی سے سچی محبت کرتا ہے اور اس کے لئے بڑی سے بڑی قربانی دیتا ہے۔ یہاں تک کہ آخر میں بغاوت تک کے لئے تلوار سونت لیتا ہے۔

اسی کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی اہم ہے کہ امتیاز علی تاج نے سلیم کے اندر ناز ونعم میں پلے ہوئے شہزادے کی نفسیات پوری طرح سمو دی ہے۔ وہ اپنی ہر ہر ادا سے مکمل شہزادہ ہے

انارکلی انارکلی ایک نہایت خوبصورت بھولی بھالی خوابوں کی دنیا میں مگن رہنے والی دوشیزہ ہے۔ اسے اپنی حیثیت کا بخوبی اندازہ ہے پھر بھی سلیم کی محبت کا جواب محبت سے دیئے بغیر نہیں رہ پاتی۔ اسے نہ ہندوستان کی ملکہ بننے سے دل چسپی ہے۔ نہ ہی دنیادی عزت و دولت سے نہ وہ شہزادے یا ولی عہد سے محبت کرتی ہے۔ وہ محبت کرتی ہے تو صرف سلیم سے اور اسے صرف سلیم چاہیئے۔ اسے اپنی محبت پر اتنا اعتماد ہے کہ اپنے کو سلیم کے حوالے کر کے سب کچھ اسی پر چھوڑ دیتی ہے۔ اس قدر سادہ لوح ہے کہ ثریا کے بار بار آگاہ کرنے کے باوجود دلا آرام کی چالوں کو نہیں سمجھ پاتی۔

اس میں شبہ نہیں کہ انارکلی کے کردار میں بہت سی خوبیاں پائی جاتی ہیں۔ اور بقول شخصے یہ اردو ڈرامے کی محبوب ترین ہیروئن کہی جاسکتی ہے۔ لیکن فنی اعتبار سے یہ ایک جامد کردار ہے۔ جس میں شروع سے آخر تک کوئی تبدیلی نہیں آتی ابتداء میں وہ ایک ڈری سہمی ہوئی دوشیزہ کے روپ میں سامنے آتی ہے۔ جو محبت کرنا بھی نہیں چاہتی اور کرتی بھی رہتی ہے۔ جس کی اپنی ذات کے اندر تذبذب اور کشمکش جاری ہے۔ اپنی اس کیفیت سے وہ آخر تک باہر نہیں نکل پاتی۔ جشن نوروز کے رقص میں تھوڑی سی بے باک ہوتی بھی ہے تو شراب کی بدولت ہوش میں آتے ہی پہلے والی کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ ایسی صورت میں اسے ارتقائی کردار کیونکر کہا جا سکتا ہے۔

دلا آرام یہ درست ہے کہ دلا آرام اپنی حیثیت سے بڑھ کر سوچنے والی ایک چالاک

ہوشیار بلکہ عیار اور کینہ پرور دوشیزہ ہے۔ اسے سلیم سے نہیں بلکہ ہندوستان کے تخت و تاج سے محبت ہے۔ یہ بھی بجا کہ اس کی فطرت میں تمام تخریبی و منفی رویئے پائے جاتے ہیں۔ پھر بھی فنی اعتبار سے وہ ایک جاندار منفرد ارتقائی کردار ہے۔ اس ڈرامے میں تمامتر حرکت و عمل اور تصادم و کشمکش اسی کی وجہ سے پیدا ہوا ہے۔

اس کی شخصیت میں شروع سے ہی تبدیلی ہوتی رہی ہے۔ اکبر اعظم تک اس کی رسائی ہے۔ سلیم کی نظر کرم ہے۔ ایسی صورت میں اس کا خواب دیکھنا بجا ہے۔ لیکن خواب ٹوٹتا نظر آتا ہے تو الزام قسمت کے سر تھوپ کر دو آنسو بہاکر خاموش نہیں ہوجاتی بلکہ انارکلی کو راستے سے ہٹانے کے درپے ہوجاتی ہے اور اس ہوشیاری سے کہ دل کی بات کبھی چہرے سے عیاں نہیں ہونے دیتی۔ سلیم آخر تک اندازہ نہیں لگا پاتا کہ وہ اسی کے خلاف سازش کر رہی ہے۔

انارکلی کے خلاف اس کا ردعمل بڑا فطری ہے۔ اس سے اس کی شخصیت کی تکمیل ہوتی ہے۔ اس میں قوت عمل بے پناہ ہے وہ کوئی منصوبہ بناتی ہے تو اسے مکمل کرنا بھی جانتی ہے۔

امتیاز علی تاج نے اس میں ایک رقیبہ کی نفسیات کو اتنے اچھے ڈھنگ سے نمایاں کیا ہے کہ وہ نسوانی بردباری و چالاکی کی مثال بن گئی ہے۔ اسے ہم بلا خوف تردید اردو ڈرامے کے بہترین کرداروں میں شمار کرسکتے ہیں۔

ثریا

انارکلی کی چھوٹی بہن ثریا، ایک نہایت شوخ چلبلی، ذہین، پختہ ارادے کی نڈر اور بے باک لڑکی ہے۔ اس کے مزاج میں خود اعتمادی کے ساتھ ساتھ تیکھا پن بھی ہے۔ اس کی وجہ سے ڈرامائی عمل میں اضافہ ہوا ہے اور پلاٹ کے ارتقاء میں مدد ملی ہے۔

اس کی شخصیت گڑھی گڑھائی ہمارے سامنے نہیں آتی بلکہ آہستہ آہستہ استحکام حاصل کرتی ہے۔ شروع میں وہ صرف ایک شوخ و طرار لڑکی ہے۔ لیکن سلیم اور انارکلی کا عشق شروع ہوتا ہے تو بڑی سمجھداری سے دونوں کی جھجک دور کرکے

انھیں قریب لانے میں معاون ہوتی ہے۔ سلیم اور انار کلی جس آسانی سے دلآرام کی باتوں پر اعتماد کر لیتے ہیں وہ نہیں کرتی بلکہ اسے خود اعتمادی سے خبردار کرتی ہے کہ اس سلسلے میں کوئی چالاکی کی تو اس سے برا کوئی نہیں ہوگا۔

بعض لوگوں کا خیال ہے کہ ثریا کی بیباکی کہیں کہیں حد اعتدال سے تجاوز کر کے غیر فطری ہو گئی ہے۔ خصوصاً انار کلی کی موت کے بعد وہ اکبر اعظم سے جس لہجے میں سوال کرتی ہے یا سلیم کو جس انداز میں مخاطب کرتی ہے۔ ایک کنیز کا اس لہجے میں گفتگو کرنا غیر فطری ہے۔

دراصل انار کلی کی موت سے ثریا کو یہ حوصلہ ملا ہے۔ غم کی شدت نے اس کے دل سے شہنشاہیت کا رعب و لی عہدی کا دبدبہ یہاں تک کہ اپنی موت کا خوف بھلا دیا ہے۔ وہ اس وقت شہنشاہ یا ولی عہد سے نہیں بلکہ اپنی بے گناہ معصوم بہن کے قتل کے ذمہ داروں سے مخاطب ہے اور ایسی صورت میں اس کا یہ لہجہ یا گفتگو قطعی غیر فطری نہیں۔

پھر یہ کہ ان دو مقامات کے علاوہ اس کی تمام حرکات و سکنات، عمل اور ردعمل نہ صرف یہ کہ فطری انداز میں پیش کیے گئے ہیں بلکہ موقع و محل سے بھی میل کھاتے ہیں۔ لہٰذا یہاں کہا جا سکتا ہے کہ ایک خاص ماحول اور فضا میں پرورش پائی ہوئی شوخ و شنگ چھوٹی بہن کا کردار تراشنے میں مصنف کو پوری کامیابی ملی ہے۔

اس کے علاوہ بھی اس ڈرامے میں اور بہت سے کردار ہیں۔ جیسے بختیار۔ مہارانی انار کلی کی ماں۔ خواجہ سرا کافور اور کنیزیں یہ سب ہر موڑ پر پلاٹ کو آگے ہی نہیں بڑھاتے بلکہ محل کی اندرونی فضا بندی میں بھی معاون ہوتے ہیں۔

جہاں تک انار کلی کی پیش کش کا سوال ہے یہ بات کسی حد تک درست ہے کہ اسے پوری طرح اسٹیج کی ضروریات کو مدنظر رکھ کر نہیں لکھا گیا ہے۔ دراصل اس ڈرامے کی کامیابی میں اس کی اندرونی فضا اور ماحول کی مرقع کشی کا بڑا ہاتھ ہے۔ جو پس منظر کی بدولت ابھرتی ہے۔ لیکن پس منظر کی جو تفصیل دی گئی ہے اسے اسٹیج پر آسانی سے پیش نہیں کیا جا سکتا۔ پھر چھوٹے چھوٹے سین کی وجہ سے اس پس منظر میں جلد جلد تبدیلی اور بھی

مشکل ہو جاتی ہے۔

پھر بھی یہ کہنا درست نہیں کہ اسے اسٹیج پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ خصوصاً آج کے اسٹیج پر جہاں پرانے پردے اسٹیج کی جگہ اشاراتی اسٹیج نے لے لی ہے۔

انارکلی کے مکالمے اور زبان

یہ درست ہے کہ مکالمے میں لکھی گئی ہر تحریر ڈراما نہیں ہو سکتی لیکن یہ بھی درست ہے کہ کوئی بھی ڈراما مکالموں کے بغیر ڈراما نہیں ہو سکتا۔ ڈرامے میں مکالموں ہی کے ذریعے واقعات کا انکشاف ہوتا ہے اور پلاٹ ارتقائی منزلیں طے کرتا ہے۔ مکالموں ہی کے ذریعے کرداروں کی سیرت واضح ہوتی ہے اور انھیں استحکام ملتا ہے۔ مکالموں ہی کے ذریعے فضا بندی ہوتی ہے اور مکالموں ہی کے ذریعے پس منظر واضح ہوتا ہے۔ کیونکہ ڈرامے میں ناول یا افسانے کی طرح مصنف خود کچھ کہنے پر قادر نہیں ہوتا اسے جو کچھ کہنا ہے کرداروں کے مکالموں کے ذریعے ہی کہنا ہے۔

جہاں تک انارکلی کے مکالموں کا سوال ہے تو اس کے مکالمے نہایت شگفتہ اور برجستہ ہیں ان میں محاوروں کی پابندی کے باوجود چستی پائی جاتی ہے۔ ہر جملہ بے محابا اور بے لاگ ہونے کے ساتھ ساتھ فضا اور ماحول سے میل کھاتا ہوا ہے۔ کہیں بھی بے موقع بے جوڑ اور بھونڈی گفتگو نہیں۔ اپنے مکالموں کے ذریعے مصنف اس فضا و تاثر کو پیدا کرنے میں کامیاب ہے۔ جو وہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔

اس میں کرداروں کے منہ سے نکلا ہوا ہر ہر لفظ نہ صرف یہ کہ ان کے منہ پر پھبتا ہے بلکہ ان کی شخصیت کو استحکام بھی بخشتا ہے۔ بادشاہ اور غلام کے مرتبے کا فرق ان کی گفتگو سے ہی واضح ہو جاتا ہے۔ یہاں اکبر اور مہارانی کی گفتگو اور چند کنیزوں کی آپس کی گفتگو مثال کے لئے درج کی جا رہی ہے۔

انارکلی ـــ باب سوم ـ منظر سوم

اکبر۔ انارکلی کو سلیم کے لئے، یہ تم کہہ رہی ہو رانی۔

رانی۔ سب کچھ سوچ کر سب کچھ سمجھ کر سب پہلوؤں پر غور کر کے۔

اکبر۔ تمہارا مشورہ ہے کہ میں اپنی زندگی کے تمام خواب چکنا چور کر ڈالوں۔ وہ خواب جو میرے دنوں کا پسینہ۔ میری راتوں کی نیند۔ میری رگوں کا لہو میری ہڈیوں کا مغز ہیں۔ تمہارا مشورہ ہے کہ میں ان سب کو چکنا چور کر ڈالوں۔

رانی۔ اولاد کے لئے کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔

اکبر۔ کیا کچھ نہ کیا گیا۔

رانی۔ پھر اب بھی ہم کیوں نہ صرف ماں اور باپ کا حق ادا کریں۔

اکبر۔ اور اس سے کب تک اولاد کے فرض کی امید نہ رکھیں۔

رانی۔ کیوں امید رکھیں۔ ہمیں تو تھے جو اولاد کی خواہش میں سائے کی طرح اداس پھرتے تھے۔ ہمیں تو تھے جو اولاد پاکر دونوں جہان حاصل کر بیٹھے تھے۔ اور ہمارے ہی لئے تو اس کا ایک تبسم زندگی کے زخموں پر مرہم تھا۔ ہم تو صرف اس لئے اس کی تمنا کرتے تھے کہ اس سے ہمارا ویران دل آباد ہو۔ اور ہم اپنی موت کے بعد بھی اس میں زندہ رہ سکیں۔ پھر اس سے توقع کیسی۔

اکبر۔ تم ماں ہو، صرف ماں!

رانی۔ میں خوش ہوں کہ میں صرف ماں ہوں اور مجھ کو رنج ہے کہ آپ شہنشاہ ہیں اور صرف شہنشاہ!!

انارکلی — باب ایک۔ منظر ایک

دلآرام۔ اے ہے توبہ! کیسا گلا پھاڑ پھاڑ کر گا رہی ہیں۔ کان پڑی آواز نہیں سنائی دیتی۔

مروارید۔ دو پہر میں دو گھڑی کا آرام بھی کم بختوں نے حرام کر دیا ہے۔

زعفران۔ ہم تمہیں کیا کہہ رہے ہیں۔

مروارید۔ صریحاً گھر کا گھر سر پر اٹھا رکھا ہے۔ بات کرنی دشوار کر دی ہے۔ ابھی بے چاری کچھ کہہ نہیں رہی ہیں۔

زعفران۔ پھر جسے باتیں کرنی ہیں۔ کہیں اور جا بیٹھیں۔

عنبر۔ مگر یہ تا سین کی بچی گائیں گی ضرور۔

زعفران۔ منہ سنبھال کر بات کر عنبر۔ واہ! بڑی آئی کہیں کی گالیاں دینے والی تو ہی لگتی ہوگی تان سین کی کوئی ہوتی سوتی۔

مزید یہ کہ انارکلی کے مکالموں سے اس کے کرداروں کی نفسیات پوری طرح واضح ہوتی ہے بلکہ کسی کردار کی آگے آنے والی فطرت کی جھلک ہمیں شروع میں ہی اس کے مکالموں میں نظر آجاتی ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ امتیاز علی تاج کو اپنے کرداروں کے مزاج اور ان کی عادات و اطوار سے پوری واقفیت ہے اور ان کی نفسیات کو واضح کرنے پر پوری قدرت۔

انارکلی کے مکالموں کا اسلوب اس کے قصے کی رومانی فضا سے پوری طرح مطابقت رکھتا ہے۔ ایک اور اہم بات یہ ہے کہ اس میں تخاطب اور بات چیت کا انداز غالب ہے۔

چونکہ ڈرامے میں زیادہ طویل مکالمے گوارا نہیں ہوتے۔ لیکن اگر کہیں بات پوری کرنے کے لئے طویل مکالمے ناگزیر ہو جاتے ہیں تو انھیں دوسرے کرداروں کے مکالموں کی مدد سے جگہ جگہ سے توڑ دیا جاتا ہے اس طرح ان کی طوالت گوارا ہو جاتی ہے۔ امتیاز علی تاج نے کہیں کہیں اس تکنیک کو بھی استعمال کیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کے باوجود وہ مکالموں کی طوالت کے الزام سے نہیں بچ سکے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ انارکلی میں طویل مکالمے زیادہ نہیں۔ کچھ طویل مکالمے ایسے ہیں جن کی ضرورت تھی ان کی طوالت بھی قدرے کم ہے۔ صرف دو تین مقام ایسے ہیں جہاں مکالموں کی طوالت بے ضرورت ہے اور انھیں آسانی سے کم کیا جا سکتا تھا۔

کچھ لوگوں کو خود کلامی اور اس کی طوالت پر بھی اعتراض ہے۔ ڈرامے میں کبھی کبھی خود کلامی سے احتراز ناممکن ہو جاتا ہے۔ انارکلی کی خود کلامی کا بھی کچھ یہی حال ہے۔

وہ موقع ومحل کے لحاظ سے ناگزیر تھی۔ البتہ اس کی طوالت بے جا ہے لیکن اسے بھی گفتگو کا فطری انداز کسی حد تک گوارا بنا دیتا ہے۔

البتہ انار کلی میں واقعات کے مقابلے میں مکالموں کی زیادتی سے انکار نہیں کیا جا سکتا۔

انار کلی کی زبان صاف رواں اور شستہ ہے۔ سادگی اس کا طرۂ امتیاز ہے اور ہر ہر زاویئے سے ادبیت جھلکتی ہے۔ تاج کو ہر طبقے کی بولی ٹھولی پر نمایاں قدرت حاصل ہے۔ عورتوں کی مخصوص زبان کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو۔

انارکلی — باب ایک۔ منظر ایک

کافور۔ عنبر! اے مروارید! اری او ماہ پارہ۔

کافور۔ اے اللہ کہاں مرگئیں یہ نامرادیں۔

راحت۔ سنا نہیں بی کافور پکار رہی ہیں۔

مروارید۔ کوئی وقت ہے بھی جب نہ پکارتی ہوں۔

کافور۔ اری کم بختو کان چور لے گئے کیا۔

کافور۔ اے مردارو۔ اللہ ماریو۔ کانوں میں کیا روئی ٹھونس کر بیٹھی ہو چیخ چیخ کر گلا آگیا۔ جو کوئی بھی پھوٹے منہ سے ہنکارا بھرے۔ سائے کہیں کے کہیں پہونچ گئے۔ عصر کی اذان ہو گئی۔ نہ حمام تیار کئے نہ گلاب پاش بھرے۔ نہ پھول چنگیروں میں رکھے۔ نہ بجرے سیر کے لئے سجے۔ جوان نگوڑے مارے کھیلوں کو چولھے میں نہ جھونک ڈالوں نہ دین کی نہ دنیا کی۔ نہ کام کا ہوش نہ سر پیر کی فکر۔ دن بھر بیٹھی کھیل رہی ہیں۔ اور دل ہی نہیں بھرتا اے تم غارت ہو کم بختو۔ جیسا تم نے مجھ بڑھیا کو ستایا ہے۔

۱۹۳۰ء سے متکلم فلموں کی مقبولیت کی وجہ سے پارسی اسٹیج تقریباً ختم ہو گیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب ملک میں نیا نظام نئی قدریں اور نئی فکر اپنی جڑیں مضبوط کر رہی تھی۔ اب نئی تعلیم اور نئی روشنی کی وجہ سے کچھ مستند ادیبوں نے بھی ڈرامے کی طرف توجہ دی یہ

لوگ پارسی کمپنیوں کے اشارے سے مقبول ڈراموں کی نہج سے غیر مطمئن تھے لہذا اصلاح کی خواہش نے اس صنف میں بھی نیا راستہ نکالنے کی طرف مائل کیا۔ لیکن یہ اپنے ارادوں میں بالکل کامیاب نہ ہو سکے۔ وجہ اسٹیج تکنیک سے ناواقفیت تھی۔

لہذا آغا حشر اور امتیاز علی تاج کے بعد کا ڈراما بڑی حد تک ادبی ہو کر رہ گیا لیکن ادب میں بھی کوئی نمایاں جگہ نہ بنا سکا۔ وہ اشتیاق حسین قریشی کا "دھوبن کی پھانسی" ہو۔ فضل الرحمٰن کا "حشرات الارض" ہو۔ عابد حسین کا "پردہ غفلت" ہو محمد مجیب کا "خانہ جنگی" "ہیروئن کی تلاش"، "حبہ خاتون" یا آزمائش سب کے سب اسی نہج کے ڈرامے ہیں۔ گو کہ ان میں سے بعض اسٹیج بھی ہوئے مگر یہ بنیادی طور پر اسٹیج کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتے۔

یہاں محمد مجیب کے کچھ ڈراموں کا تجزیہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جس سے آپ خود اندازہ لگا سکیں گے۔

فہرست مندرجات

نام کتاب : ڈرامہ فن اور روایت

مصنف : ڈاکٹر محمد شاہد حسین

پتہ : سی۔ آئی۔ ایل۔ اسکول آف لینگو یجیز، جواہر لال نہرو یونیورسٹی۔
نئی دہلی۔ ۶۷

ناشر : ڈاکٹر طلعت پروین

اشاعت دوم : جنوری ۲۰۰۲ء

تعداد : پانچ سو

قیمت : ایک سو تیس روپے

تقسیم کار

- موڈرن پبلشنگ ہاؤس، ۹۔ گولا مارکیٹ، دریا گنج، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۰۲
- بک امپوریم۔ سبزی باغ، پٹنہ۔ ۴
- ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، گلی وکیل، کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
- ایجوکیشنل بک ہاؤس، شمشاد مارکیٹ، مسلم یونیورسٹی، علی گڈھ۔
- مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۱۱۰۰۰۶
- نصرت پبلشرز، حیدری مارکیٹ۔ آمین آباد، لکھنؤ۔

DRAMA FUN AUR REVAYAT
BY
DR. MOHD. SHAHID HUSAIN

HUSAIN PUBLICATIONS

ڈراما فن اور روایت

ڈاکٹر محمد شاہد حسین

HP

حسین پبلیکیشنز

نئی دہلی

ڈراما فن اور روایت
ڈاکٹر محمد شاہد حسین